فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی ﷾

صحتِ عبادت کیلئے منہجی قواعد

صدارتی خطبہ بموقعہ بتیسویں سالانہ سیرت النبی کانفرنس منعقدہ 11,12 اپریل 2014

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ، ونستغفرہ ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ، ومن سیئات أعمالنا ، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ، ومن یضلل فلاھادی لہ ، وأشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ ، وأشھد أن محمدا عبدہ ورسولہ .

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ (آل عمران:۱۰۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾ (النساء:۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾

(الاحزاب:۷۰،۷۱)

أما بعد:

فان أصدق الحدیث کتاب اللہ ، وأحسن الھدی ھدی محمد ﷺ ، وشر الأمور محدثاتھا ، وکل محدثۃ بدعۃ ، وکل بدعۃ ضلالۃ ، وکل ضلالۃ فی النار .

اللہ تعالیٰ اکیلا پوری کائنات کا خالق ہے ۔(أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ) (یادرکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا) (الاعراف:۵۴)

اس خلق میں کسی دوسرے کی بمقدارِ ذرہ بھی کوئی شراکت نہیں ہے ۔(هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ) کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے؟ (ہرگز نہیں) (فاطر:۳)

دین کا تھوڑا سا ذرک رکھنے والا انسان بھی بخوبی یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کا خلق عبث نہیں ہے ، بلکہ حکمتوں سے بھرپور ہے ، خواہ ہمیں ان حکمتوں کی آگاہی ہو یا نہ ۔

یہ بات معلوم ہے کہ تمام مخلوقات میں ، اللہ تعالیٰ کی سب سے اشرف واعلیٰ خلق ، حضرت انسان ہے ۔(لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٤﴾) یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ۔ (التین:۴)

تو پھر اس اشرف المخلوقات یعنی انسان کی خلق عبث کیسے ہو سکتی ہے؟

(أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾) (المومنون:۱۱۵)

کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے ۔

اس آیت کریمہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں :

ایک یہ کہ انسان کا خلق عبث نہیں ہے ، بلکہ ایک انتہائی پاکیزہ اور مقدس حکمت کے تحت ہے ، جس کی معرفت ازحد ضروری ہے ، پھر اس معرفت کے بعد عملی جامہ پہنانا اس سے بھی ضروری ہے ۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تمام انسان اپنی موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جائیں گے، تاکہ وہ ان سے اس بابت حساب لے، اور تاکہ جولوگ اپنے مقصدِ تخلیق کی صحیح معرفت حاصل کرکے زندگی بھر اسے اختیار کئے رہے، انہیں جنات النعیم کی صورت میں بے مثل اور دائمی اجروثواب کا مستحق قرار دے دے۔

اور جولوگ اپنے مقصدِ تخلیق کو سمجھ نہ سکے یا صحیح طور سمجھنے سے قاصر رہے یا سمجھ لینے کے باوجود اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے، انہیں جہنم کے دردناک عذاب میں جلتے اور جھلستے رہنے کا مستحق ٹھہرادے۔

انسانوں کی تخلیق کا ارفع واعلیٰ مقصد یہ ہے:

(وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾) (الذریات:۵۶ تا ۵۸)

ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اورزورآور ہے۔

ثابت ہوا کہ ہم سب کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے، اور وہ بھی صرف اللہ رب العزت کی۔

اس کے علاوہ دوسرا کوئی مقصد نہ تو موجود ہے اور نہ ہی قابل قبول۔

عبادت کی صحیح تحقیق ومعرفت دوقواعد کے ساتھ ہے، پہلا قاعدہ (لا الہ الا اللہ) پر مبنی ہے، جبکہ دوسرا قاعدہ (محمد رسول اللہ) پر، چنانچہ عبادت کے تعلق سے صحیح تحقیق ومعرفت، اسی شخص کی مقبول ومعتبر تصور کی جائے گی، جس کی ہر لحظہ ولمحہ کی عبادت (لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ) پر قائم ہوجائے۔

(لاالہ الااللہ) سے مراد توحید عبادت ہے، یعنی ہر قسم کی عبادت صرف اللہ رب العزت کیلئے ہے، کسی عبادت کا کوئی حصہ خواہ وہ سوئی کے ناکے کے برابر کیوں نہ ہو، غیر اللہ کیلئے جائز نہیں ہے، نہیں تو آپ کی عبادت کی پوری عمارت ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جائے گی، اور کل جب حشر کا میدان قائم ہوگا تو اس کی عنداللہ کوئی پذیرائی نہ ہوگی۔

(محمد رسول اللہ) سے مراد توحید طریق عبادت ہے، یعنی ہر قسم کی عبادت کا ہر ہر جزء صرف رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہو، کسی بھی عبادت کے کسی بھی حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کا کوئی شائبہ نہ ہو، ورنہ اسے میدانِ حشر میں مکمل طور پہ رد کردیا جائے گا، اور ایسی عبادت کو لانے والا انسان خسرانِ مبین کا شکار ہوجائے گا۔

سامعین حضرات! اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم سب کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے، عبادت کی صحیح تحقیق ومعرفت دوقواعد پر ہے:

پہلا قاعدہ: توحید عبادت، جس کا معنی یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اللہ رب العزت ہے، اور یہ (لاالہ الااللہ) کا معنی ہے۔

دوسرا قاعدہ: توحیدِ طریق عبادت، جس کا معنی یہ ہے کہ عبادت کا صرف وہی طریقہ اور راستہ معتبر ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ پوری زندگی قائم رہے اور جو آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے ذریعہ ہم تک پہنچا، اور یہ (محمد رسول اللہ) کا معنی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی انہی دوقواعد کی تحقیق وتعلیم میں بسر ہوئی، یہی دو چیزیں آپ ﷺ کی دعوت وتعلیم کا لبِ لباب تھیں، اور یہی دونوں آپ ﷺ کے جہاد وقتال کا مرکز ومحور تھیں۔

جو دعوت ان دومقاصد سے خالی ہوگی وہ شر اور فتنہ کے

سوا کچھ نہ ہوگی اور جو جہاد ان دونوں مقاصد سے خالی ہوگا وہ فساد کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حضرات! پہلا قاعدہ (لاالہ الااللہ) یعنی توحید عبادت ہے، جس کا آپ روزانہ اللہ تعالیٰ کے حضور متعدد بار اقرار واعتراف کرتے ہیں، یعنی :(اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) (الفاتحہ:۴) پڑھتے ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے، اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، تیرے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہتے۔

اس ارفع واعلیٰ قاعدہ کے بیان اور وضاحت کیلئے نبوتیں اور رسالتیں تشکیل دی گئیں، بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اتاری گئی، کتب وصحائف نازل کیے گئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ) (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ: تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

نیز فرمایا:

(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ) (النحل:۳۶)

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی، پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟

نیز فرمایا:

(وَسْـَٔـلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ) (الزخرف:۴۵)

ترجمہ: اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟

نبوت ورسالت کے سلسلہ مبارکہ کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جن کی پوری زندگی، انہی قواعد کی تحقیق وتعلیم کی آئینہ دار ہے۔

(لاالہ الااللہ) یعنی: توحید عبادت میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے چند مظاہر ومشاہد پیشِ خدمت ہیں:

(۱) آپ ﷺ کس طرح توحید کی خالصیت چاہتے تھے اور کس طرح کسی غیر کی مشارکت کے شائبہ تک کو برداشت نہ کرتے، اس کا ثبوت اس واقعہ سے حاصل ہوتا ہے، مسند احمد اور صحیح مسلم میں مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک خطیب کو یہ کہتے ہوئے سنا:(من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی) جس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، وہ ہدایت پا گیا، اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے، وہ گمراہ ہوگیا۔

آپ ﷺ نے اسے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا:بئس خطیب القوم أنت. قل:ومن یعص اللہ ورسولہ فقد غوی. یعنی: تم قوم کے بدترین خطیب ہو، یوں کہو: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگیا۔

حضرات! رسول اللہ ﷺ نے بھری مجلس میں اس کی بات کیوں رد فرمائی؟ اور کیوں اس کے قول کو قبیح قرار دیا؟ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر کو (ومن یعصھما) کہہ کر ایک ضمیر میں اکٹھا کر دیا، تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ایک ضمیر میں جمع کرنے کی بجائے، اسم ظاہر کے ساتھ الگ

الگ کرو، تاکہ کسی بھی شخص کو یہ شائبہ تک نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کا مرتبہ ایک ہے۔

اس چھوٹے سے واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے توحید کے تعلق سے کیا جذبات تھے اورکس طرح آپ ﷺ نے شرک کے راستے مسدود کرنے کی سعی فرمائی، یہ آپ ﷺ کی غیرتِ توحید کی زبردست دلیل ہے، یعنی ایسے الفاظ تک گوارانہیں جن سے افضل الخلق محمد رسول اللہ ﷺ کی منزلت کی اللہ تعالیٰ کی منزلت سے مشابہت یا مماثلت کا شائبہ تک ہو اگرچہ وہ شائبہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو۔

(۲) اسی سے ملتا جلتا دوسرا مشہد جو مسند احمد اور الادب المفرد للامام البخاری وغیرہ میں مذکور ہے، ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اورکسی مناسبت سے یوں کہہ دیا:(ماشاء الله وشئت) یعنی: جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔گویا اس شخص نے اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کی چاہت میں حرفِ (و) کے ساتھ فرق کیا، آپ ﷺ کی غیرتِ توحید آپ ﷺ کو خاموش نہ رکھ سکی، فوراً فرمایا:(أجعلتني لله ندا؟قل ماشاء الله وحده.) یعنی: کیا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا مثل بنادیا؟ یہ کہو: جو صرف اللہ اکیلا چاہے۔

آپ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ چاہت ومشیئت صرف اللہ رب العزت کیلئے ہے، تاکہ تمام سننے والے یہ بات سمجھ لیں کہ مشیئت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، حتی کہ الفاظ کی حد تک بھی نہیں۔

(۳) اسی سے ملتا جلتا ایک اورقصہ ملاحظہ ہو، جو مسند احمد اور جامع ترمذی وغیرہ میں بسندِ صحیح مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ بلادِ ہوازن کا قصد فرمایا، صحابہ کرام دورانِ سفر ایک درخت کے پاس سے گذرے، جس پر مشرکین اس عقیدہ کے ساتھ اپنا اسلحہ معلق کیا کرتے تھے کہ اس سے معرکہ میں فتح ونصرت حاصل ہوگی، چنانچہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا:(اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط.) یعنی: یارسول اللہ ﷺ جیسا مشرکین کا درخت ذات انواط نامی ہے، اسی طرح کا ہمارے لئے بھی ایک درخت مقرر فرمادیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا:(قلتم والذی نفسی بیده کما قال بنو اسرائیل لموسی:(اجعل لنا اله کما لھم الھة) یعنی: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ: جیسے ان کے معبود ہیں ویسا ہمارا بھی معبود مقرر کردیجئے۔

گویا رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نصرت یا برکت کی طلب ایک بدترین شرک ہے جو حتماً وقطعاً ناقابل برداشت اور ناقابل قبول ہے۔

(۴) جب آپ ﷺ کا بیٹا ابراھیم فوت ہوا اور آپ ﷺ ایک رنج والم کی کیفیت سے دوچار تھے، اسی دن سورج کو گرہن لگ گیا اور آپ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی، یہ انتہائی طویل نماز تھی جو بندے کو تھکا دیتی ہے، اسی اثناء کچھ لوگوں نے یہ بات اڑادی کہ آپ ﷺ کے بیٹے ابراھیم کی وفات کی وجہ سے سورج گرہن ہوا، ان کے بقول مشاہیر کے پیدا ہونے یا فوت ہونے سے سورج کو گرہن لگتا ہے۔

اس افواہ پر خاموشی ایک بڑی بدعقیدگی کے پیدا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اگر آپ ﷺ خاموش رہتے تو یہ بات رواج پاسکتی تھی کہ زمین میں رونما ہونے والے حوادث میں آسمانی تغیرات کا دخل ہے، آپ ﷺ نے صدمہ کی شدت کے باوجود اور صلاۃ الکسوف جیسی طویل نماز کی ادائیگی اور اس سے حاصل ہونے والی تھکاوٹ کے باوجود منبر قائم فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی تھے:(ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله لاینکسفان لموت احد ولالحیاته.فاذا رأیتم

ذلك فافزعوا الى الصلاة.) یعنی: بے شک چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جنہیں گرہن نہ تو کسی کے پیدا ہونے پر لگتا ہے نہ ہی کسی کے مرنے پر، جب تم گرہن دیکھو تو نماز کی ادائیگی کی جلدی کرو، بعض احادیث میں توبہ کرنے اور صدقہ دینے کا بھی ذکر ہے۔

حضرات! یہ واقعہ آپ ﷺ کی غیرتِ توحید کی انتہائی زبردست دلیل ہے، جس نے یہ بات آشکارا کردی کہ آسمان میں رونما ہونے والے تغیرات کا زمینی حوادث سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ آسمان کے جملہ تغیرات اللہ تعالیٰ کے امر سے رونما ہوتے ہیں اور زمین کے جملہ حوادث بھی اللہ تعالیٰ کے امر سے واقع ہوتے ہیں۔

افسوس! اس واضح فرمان کے باوجود آج لوگ چاند اور ستاروں کی منازل اور رفتار وغیرہ سے زمینی احداث متعین کرتے ہیں، ہمارے میڈیا کا اس میں بڑا گھناؤنا کردار ہے، واللہ المستعان۔

(۵) صحیح بخاری میں مذکورہ واقعہ بھی آپ ﷺ کی غیرتِ توحید کا مظہر ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت میں کوئی غیر اللہ شریک نہیں ہے، حتی کہ رسول اللہ ﷺ بھی نہیں۔

وہ قصہ اس طرح ہے کہ کسی مناسبت پر بچیاں اہلِ بدر کے کارناموں پر مشتمل گیت گارہی تھیں، رسول اللہ ﷺ بھی وہاں موجود تھے اور استراحت فرمارہے تھے، اچانک ایک بچی نے یوں کہہ دیا: (وفينا نبي يعلم ما في غد) یعنی: ہمارے درمیان ایک نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: (لا تقولي هذا وقولي ما كنت تقولين) یعنی: ایسا مت کہو اور جو پہلے کہہ رہی تھی صرف وہی کہو۔

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: (فإنه لا يعلم الغيب الا الله) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔

(۶) اسی سے ملتا جلتا ایک اور مشہد ملاحظہ ہو:

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جن کا بہترین صحابہ میں شمار ہوتا تھا، جب ان کا انتقال ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری عورت ام العلاء رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا: (شهادتي عليك أبا السائب أن الله قد أكرمك) یعنی: اے ابو سائب (عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت) میں تم پر یہ گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بڑی عزت سے نوازا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس بات کو رد فرمایا: (وما يدريك أن الله قد أكرمه) یعنی: تجھے کس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے؟

ام العلاء نے کہا: (سبحان الله! يارسول الله ومن يكرم الله إذا لم يكرمه؟) یعنی: اے اللہ کے رسول ﷺ! سبحان اللہ! اگر اللہ تعالیٰ عثمان کو عزت عطا نہیں فرمائے گا تو بھلا کسے فرمائے گا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی وہ اس معاملہ کی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے، جس سے بڑی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی، فرمایا: (والله! إني لرسول الله لا أدري ما يفعل بي غدا) یعنی: اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (بخاری ومسند احمد)

یہ قصہ بھی غیرتِ توحید کی دلیل ہے، چنانچہ ام العلاء نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جو بات کہی وہ علم غیب کے حکم میں تھی، بھلا رسول اللہ ﷺ اس قسم کی بات کیسے برداشت فرماتے، لہذا آپ ﷺ نے ام العلاء کی اصلاح فرمائی اور یہ بھی واضح فرمایا کہ میں نبی آخر الزماں ﷺ بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

(۷) سنن ابی داود میں بسند جید، عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں بنی عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے کہا: (أنت سيدنا) یعنی:

آپ ہمارے سید ہیں ۔

رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا: (السید اللہ تبارک وتعالی) سید تو صرف اللہ تبارک وتعالی ہے ۔

ہم نے مزید کہا: (وأفضلنا فضلا وأعظمنا طولا) یعنی: آپ ﷺ باعتبارِ فضل ہم سب سے افضل ہیں، اور باعتبارِ احسان ہم سب سے بڑے ہیں ۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: (قولوا بقولکم أوبعض قولکم ولا یستجرینکم الشیطان) یعنی: تم میرے بارے میں اسی طرح کہا کروجس طرح آپس میں باتیں کرتے ہوں اور یاد رکھو شیطان تمہیں اپنی سواری نہ بنانے پائے ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن نسائی میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (یا أیھا الناس قولوا بقولکم ولایستھوینکم الشیطان أنا محمد عبداللہ ورسولہ ماأحب أن ترفعونی فوق منزلتی التی أنزلنی اللہ عزوجل) یعنی: اے لوگو! میرے متعلق وہی بات کروجو آپس میں کرتے ہو اور شیطان تمہیں اپنی خواہشات کا آلہ کارنہ بنالے، میں محمد ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مرتبہ سے اونچا کروجس مرتبہ پر اللہ تعالی نے مجھے فائز فرمایا ہے۔

یہاں سب سے بڑا شاہد یہ ہے کہ بنو عامر کے وفد نے رسول اللہ ﷺ کو سید کہا تھا، حالانکہ انسانوں پر سید کا اطلاق درست اور جائز ہے، مگر حقیقی اور کامل (السید) اللہ تعالی ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (الصمد) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (السید الکامل فی سؤددہ) یعنی: ایسا سید جو اپنی سیادت میں کامل ہے ۔

اب حالانکہ بنو عامر نے رسول اللہ ﷺ کو سید کہا جو کہ حق ہے، مگر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالی کے (السید) ہونے کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالی کی جناب میں حسن ادب کا مظاہرہ فرمایا، اور ساتھ ساتھ انہیں متنبہ کیا کہ شیطان تمہیں اپنی سواری نہ بنانے پائے، اس کا معنی یہ ہے کہ میری مدح میں تم حدود سے متجاوز نہ ہوجاؤ اور یوں اپنی توحید کو مخدوش کر بیٹھو ۔

(۸) سنن ابی داؤد میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لاتجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا قبری عیدا وصلوا علی فإن صلاتکم تبلغنی حیث کنتم) یعنی: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اور میری قبر کی بار بار زیارت نہ کرواور جہاں ہو مجھ پر درود پڑھو؛ کیونکہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔(دوسری روایت کے مطابق فرشتے مجھ تک پہنچا دیں گے)

اس حدیث پر بھی غور کیجئے، ہر جملہ کس طرح طرقِ شرک کا سدِ باب کر رہا ہے، خاص طور پہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر مبارک کی بار بار زیارت سے منع فرمانا (حالانکہ آپ ﷺ کی قبر اشرف القبور ہے اور اس کی زیارت افضل اعمال میں شامل ہے) مگر یہ خدشہ قائم رہے گا کہ شیطان غلو کا وار کرکے شرک کا دروازہ کھولنے میں کامیاب نہ ہوجائے ۔واللہ المستعان

اسی لئے رسول کریم ﷺ نے اپنی وفات سے چند لمحات قبل دعا فرمائی تھی: (اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد) یعنی: اے اللہ! میری قبر کو پوجا گاہ نہ بنانا، پھر یہ بددعا فرمائی تھی: (لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد) یعنی: اللہ تعالی یہود ونصاری پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔

سبحان اللہ! یہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ومسعودہ کے آخری لمحات ہیں، جن میں توحید کی باتیں ہورہی ہیں، جبکہ آپ ﷺ کے مشن کا آغاز بھی عنوانِ توحید سے ہوا، جب آپ ﷺ کوہِ صفا پر کھڑے تھے اور قریش کو مخاطب کرکے فرمارہے تھے: (أیھا الناس قولوا لاالہ الااللہ تفلحوا) یعنی: اے لوگو! لاالہ الااللہ کہو، فلاح پاجاؤ گے ۔

یہ تمام شواہد اس بات پر شاہدِ عدل اور مظہر اتم ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام کی تمام حیاتِ مبارکہ بیانِ توحید اور غیرتِ توحید

کی علمبردار تھی، ایسا کیوں نہ ہو خود قرآن نے رسول اللہ ﷺ کا عقیدہ ومنہج ذکر فرمایا ہے:

(قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝) (الانعام:۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

سامعین حضرات! ہم نے شریعت مطہرہ کے اصل اول یعنی توحید عبادت کے تعلق سے، رسول کریم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے چند واقعات پیش کئے ہیں، جن میں ہمارے لئے یہ واضح پیغام موجود ہے کہ ہم اس اسوۂ کی پوری پیروی کریں اور اپنے ظاہر و باطن کو توحید عبادت کے منہج سے منور کرلیں، اس کے بغیر تمام عبادات رائیگاں جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ جو غفور رحیم ہے کبھی معاف نہ فرمائے گا۔

(اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝) (النساء:۱۱۶)

ترجمہ: اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

محبت رسول ﷺ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس اسوۂ مبارکہ جو دین اسلام کی اساس ہے اور امور ایمان میں سب سے مقدم ہے کی دل وجان سے اتباع کی جائے، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وعید شدید کا انتظار کرو: (وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝) (المائدۃ:۵)

ترجمہ: منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔

حضرات! گذشتہ سطور میں ہم یہ بتا چکے کہ دین اسلام کے دو اہم بنیادی اصول ہیں: ایک توحید عبادت، دوسرا توحید طریق عبادت۔

توحید عبادت کی اہمیت وفرضیت اور قطعیت وحتمیت کے بارے میں کچھ گذارشات پیش خدمت کر چکے ہیں، جن سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ توحید عبادت کے بغیر کسی انسان کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہے، نہ ہی کبھی بخشش کا امکان ہے، بلکہ انجام دیئے گئے تمام اعمالِ صالحہ برباد ہو جاتے ہیں۔

توحید عبادت کی طرح توحید طریق عبادت بھی دین اسلام کی اہم ترین بنیاد اور رکن رکین ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ تمام تر عبادات کا راستہ اور طریقہ ایک ہی شخصیت سے لیا جائے گا، اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اس کے علاوہ ہر راستہ نہ صرف یہ کہ مردود ہے بلکہ ایسے اعمال کی بربادی کا بھی باعث ہے جو انسان صحیح طریقہ سے انجام دینے میں کامیاب ہو جائے۔

ہم اس اصل الاصول کو بھی رسول کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سیرت مبارکہ سے واضح کرتے ہیں، چنانچہ چند مشاہد پیش خدمت ہیں:

(۱) ایک دن رسول اکرم ﷺ نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ورق دیکھا، آپ ﷺ غضبناک ہو گئے اور فرمایا: (أهذا! و أنا بين أظهركم. لقد جئتكم بها بيضاء نقية ...والله لو كان موسى حيا لما وسعه إلا أن يتبعني) یعنی: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور یہ کچھ ہو رہا ہے؟ میں تمہارے پاس روشن اور صاف دین لیکر آیا ہوں ...۔اللہ کی قسم! اگر (صاحب تورات)

موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا ان کیلئے کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔

یہ حدیث مسند احمد اور سنن دارمی میں مذکور ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کے ایک راوی مجالد بن سعید کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام لالکائی رحمہ اللہ نے اس کے بہت سے طرق ذکر فرمائے ہیں جن سے حدیث کا حسن ہونا ثابت ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ حدیث توحید طریق عبادت کے منہج کو متعین کرتی ہے، چنانچہ کسی شخص کیلئے قطعاً روا نہیں ہے کہ وہ کتاب وسنت کے علاوہ کہیں سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے، خواہ وہ انبیاء سابقین میں سے کوئی نبی کیوں نہ ہو، آپ غور کیجئے کہ موسیٰ علیہ السلام جن کا شمار پانچ اولو العزم انبیاء میں ہوتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرفِ ہمکلامی سے مشرف فرمایا، ان کی اطاعت بھی جائز نہیں، حالانکہ تورات منزل من اللہ کتاب ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام بھی آج اگر موجود ہوں تو ان کی نجات کا راستہ عمل بالتورات نہیں بلکہ اتباعِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر ایک شخص کو دو افراد کے درمیان ان کا سہارا لیکر چلتے ہوئے دیکھا، فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: (یارسول اللہ نذر أن یحج ماشیا) یعنی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (إن اللہ عن تعذیب هذا نفسه لغني، مروہ فلیرکب) یعنی: اللہ تعالیٰ اس کے اپنے آپ کو اذیت دینے سے بے پرواہ ہے، اسے حکم دو کہ فوراً سوار ہو جائے۔

یہاں شاہد یہ ہے کہ اس شخص نے تقرب الی اللہ کی نیت سے پیدل چلنے کی نذر مانی تھی، تاکہ اس کا وہ حج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت وقیادت میں ہو رہا ہے، باعتبارِ اجر وثواب اضعافاً مضاعفہ ہو جائے، لیکن چونکہ سواری ہوتے ہوئے پیدل حج کی مشقت برداشت کرنا شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ببانگ دہل اس امر سے منع فرمادیا، بلکہ یہ واضح فرمادیا کہ اگر یہ بنیتِ ثواب پیدل چلتا رہا تو ثواب ملنا تو درکنار اللہ تعالیٰ کا غیظ وغضب مول لے لیگا۔

(بخاری ومسلم)

(۳) اسی سفرِ حج میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ سامنے آتا ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دورانِ سفر دھوپ میں بیٹھا دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں استفسار فرمایا، صحابہ نے عرض کیا: (یارسول اللہ ﷺ نذر أن یصوم ولا یتکلم ویجلس في الشمس) یعنی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص نے دورانِ حج چپ رہنے کی نذر مانی ہے، اور یہ کہ جب تک یہ سفر قائم ہے کسی سے کلام نہیں کرے گا، اور یہ نذر بھی مانی ہے کہ یہ سارا سفر دھوپ میں اختیار کیے رہے گا۔

(صحیح بخاری، سنن ابی داود)

واضح ہو کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اور بے شمار اجر وثواب پانے کیلئے دو نذریں مانی تھیں:

ایک پورے سفر کے دوران خاموش رہنے کی، خاموشی کا روزہ سابقہ امتوں میں جائز تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام سے فرمایا تھا:

(فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾) (مریم:۲۶)

ترجمہ: اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ، اگر تجھے کوئی انسان نظر پڑ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی تین دن کیلئے زبان بند

فرمادی:

(قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِـيًّا ۝)

ترجمہ: کہنے لگے میرے پروردگار میرے لئے کوئی علامت مقرر فرمادے، ارشاد ہوا کہ تیرے لئے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔ اب زکریا (علیہ السلام) اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ (مریم: ۱۰،۱۱)

واضح ہو کہ ہمارے دین میں خاموشی کا روزہ بدعت ہے، لہذا کوئی بھی شخص خواہ وہ صحابی کیوں نہ ہو اگر اس خاموشی کو تقرب الی اللہ کی بنیاد قرار دے گا تو یہ عمل مردود شمار ہوگا، ثابت ہوا کہ تقرب الی اللہ کا راستہ صرف وہی معتبر ہے جو رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہو۔

دوسرا اس شخص نے دوران سفر دھوپ میں بیٹھے رہنے کی نذر مانی تھی، اس کی سوچ یہ تھی کہ حج جیسا مبارک سفر ہے، رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت ومرافقت میسر ہے، لہذا مزید اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالوں تاکہ اجروثواب بڑھ جائے، لیکن سائے کی موجودگی میں دھوپ میں بیٹھنا اور وہ بھی عرب کے تپتے صحراؤں میں ایک ایسا تکلف ہے جس کی شریعت قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کرتی، لہذا رسول اللہ ﷺ نے بنابریں کہ یہ عمل وحی الٰہی سے ثابت نہیں، اسے باطل ومردود قرار دیا، اور اس بات پر مہر ثبت فرمادی کہ اثباتِ عبادت کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، جس کی آپ ﷺ نے پوری زندگی ترجمانی فرمائی:

(وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝)

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ (النجم: ۳،۴)

(۴) اسی سفر حج میں روانہ ہوتے ہوئے ایک انتہائی نیک اور صالح گھرانے کی خاتون، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے ایک نذر مان لی کہ وہ یہ تمام سفر ننگے پاؤں، ننگے سر اور پیدل طے کریں گی، تاکہ یہ تمام تر اذیت، اضافۂ حسنات کا باعث بن جائے، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا: پہلے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کرنا چاہئے کہ یہ نذر درست بھی ہے یا نہیں؟

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: (إن أختي نذرت أن تحج البيت ماشية حافية حاسرة) یعنی: یارسول اللہ ﷺ! میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ حج بیت اللہ کا پورا سفر پیدل، ننگے پاؤں اور ننگے سر کرے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إن الله عن تعذيب أختك نفسها لغني) یعنی: اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور بے نیاز ہے اس تکلیف سے جو تمہاری بہن اپنے آپ کو دینا چاہتی ہے۔

(طبرانی کبیر)

گویا رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ ایک عمل خواہ کسی انسان کو کتنا ہی خوشنما لگتا ہو اور کتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ذریعہ لگتا ہو، لیکن اس وقت تک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک امام الانبیاء محمد ﷺ کی سنت یا فرمان سے ثابت نہ ہو، لہذا طریق عبادت یا طریق الی اللہ کا یہ منہج نوٹ کرلو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تو درست ہوسکتا ہے نہ عند اللہ قابل قبول۔

اللہ تعالیٰ نے واشگاف اعلان فرمایا ہے:

(مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝)(النساء: ۸۰)

ترجمہ: اس رسول (ﷺ) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو

کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

(قُلْ اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ) (آل عمران : ۸۳)

آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔

دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ اسلوب حصر اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی) (البقرہ : ۱۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کو ہدایت قرار دیا ہے، فرمایا:

(وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ) (النور : ۵۴)

ترجمہ: ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔ سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

جب یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ حق وحی الٰہی یا بالفاظ دیگر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں محصور ومقصور ہے تو پھر قرآن کا یہ واشگاف اعلان بھی سن لیجیے:

(فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ) (یونس : ۳۲)

ترجمہ: پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟

یہ اللہ تعالیٰ کے دوٹوک فرامین ہیں، جن میں کسی ترمیم یا کمی بیشی کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی ایسی جسارت کر سکتا ہے۔

(اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا ھُوَ بِالْھَزْلِ) (الطارق : ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: بیشک یہ (قرآن) البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے، یہ ہنسی کی (اور بے فائدہ) بات نہیں۔

(۵) صحیح بخاری ومسلم میں مروی، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی بہت قابل غور ہے، یہ واقعہ بہت کچھ سوچنے، سمجھنے اور اپنانے کی دعوت دیتا ہے، ان کے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ان کی شکایت کی، چنانچہ عرض کرتے ہیں: میں نے اشراف العرب میں اپنے بیٹے کی شادی کی ہے، میں روزانہ اپنی بہو سے اس کے شوہر کے بارہ میں پوچھتا، اس کا یہی جواب ہوتا: (صالحا غير أنه لم يطأ لنا فراشا) یعنی: میرا شوہر بہت نیک ہے، البتہ اب تک میرے ساتھ بستر پر نہیں سویا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اس بات کو پندرہ دن گزر چکے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ کو طلب فرمالیا اور ارشاد فرمایا: (بلغني أنك تصوم النهار وتقوم الليل؟) یعنی: مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تم روزانہ روزہ رکھتے ہو اور پوری پوری رات کا قیام کرتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو اس عمل سے روک دیا اور فرمایا: (صم من كل شهر ثلاثة أيام) یعنی: پورا مہینہ روزے رکھنے کی بجائے ہر مہینے تین روزے رکھا کرو۔ (ایام بیض کے روزے مراد ہیں)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اس سے زیادہ روزوں کی طاقت ہے، تو آپ ﷺ نے پانچ روزوں کی اجازت دے دی، ان کے مزید طلب کرنے پر سات اور پھر نو کی اجازت دی، مزید مطالبے پر ارشاد فرمایا: (صم صيام أخي داود كان يصوم يوما ويفطر يوما ولا يفر إذا لاقى) یعنی: تم میرے بھائی داود علیہ السلام والے روزے رکھا کرو، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور اگلے دن ناغہ کیا کرتے تھے، اور جب ان کی دشمن سے ملاقات ہوتی تو میدان چھوڑ کر بالکل نہ بھاگتے۔

یہ حدیث بہت سے عظیم الشان قواعد پر مشتمل ہے:

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ ذاتی پسند یا خواہش خواہ بظاہر کتنی ہی عمدہ اور عالیشان محسوس ہو، مگر وہ باطل ہے جب تک امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ تصدیق نہ فرمادیں، چنانچہ عبداللہ بن عمرو کا عمل یہ تھا کہ وہ مسلسل روزے رکھتے اور مسلسل پوری رات کا قیام کرتے، یہ دونوں عمل بظاہر بہت ہی عظیم الشان ہیں مگر رسول کریم ﷺ نے رد فرمادیئے اور ان کی اصلاح فرمادی، گویا نیکی بھی اس وقت نیکی شمار نہیں ہوتی جب تک رسول کریم ﷺ سے ثابت نہ ہو۔

دوسرا قاعدہ یہ سامنے آتا ہے کہ دین اسلام کس قدر منہج اعتدال پر قائم ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عبادات اور حاجات کے درمیان ایک اعتدال قائم فرمایا، اور یہ درس دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے اہل، اپنے نفس اور اپنی آنکھ کے حقوق فراموش نہ کردیئے جائیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (ان لربك عليك حقا ولزوجك عليك حقا فأعط كل ذي حق حقه) (صحیح بخاری) یعنی: بے شک تمہارے رب کا تم پر حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، پس ہر حق والے کو اس کا حق دے دو۔

تیسرا عظیم الشان قاعدہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ بندے کی ایسی کثیر عبادت نہ قابل قبول ہے جو اسے کمزور کرکے جہاد سے فرار پر مجبور کردے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے داؤد علیہ السلام کے روزوں کا ذکر کیا اور فرمایا: (ولا يفر إذا لاقى) یعنی: جب وہ دشمن سے ملتے تو میدان سے قطعاً نہ بھاگتے، گویا اتنی مقدار کے روزے انہیں کمزور کرکے جہاد سے دوری پر مجبور نہ کرتے۔

جہاد دین اسلام کی چوٹی ہے، لہذا اتنی مقدار کی عبادات (روزے اور قیام وغیرہ) جو بندے کے اعضاء وقویٰ کو مار دے یا کمزور کردے کہ وہ جہاد کے قابل ہی نہ رہے، ناجائز ہے۔

(۶) صحیح مسلم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے روزوں کی بابت سوال کیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے روزوں کا معلوم کرکے اسی طرح روزے رکھنے کی کوشش کرے، رسول اللہ ﷺ اس کا سوال سن کر شدید غصے میں آگئے، قریب ہی امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، جو رسول اللہ ﷺ کا غصہ بھانپ گئے، انہوں نے (رضينا بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد رسولا) کہنا شروع کردیا، یعنی: ہم راضی ہیں اللہ تعالیٰ کو رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد ﷺ کو اپنا رسول مان کر۔

حتی کہ رسول اللہ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا پڑگیا۔

یہ حدیث ایک بہت بڑے قاعدے پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہے کہ امت کا کوئی فرد ایسا عمل بھی اپنانے کی کوشش نہ کرے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، یہی آپ ﷺ کے غضبناک ہونے کا سبب تھا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ روزوں میں وصال فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات افطار سے افطار تک یا سحری سے سحری تک روزہ رکھا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے: میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، مجھے میرا رب رات کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۷) توحید طریق عبادت کے منہج کے اثبات کیلئے سب سے اہم دلیل ان تین افراد کا واقعہ ہے، جن کے قلوب خشیت الٰہی سے معمور تھے اور یہ سوچ کر رسول اللہ ﷺ کے گھروں کے طرف آتے ہیں کہ آج رسول اللہ ﷺ کی رات کی عبادت معلوم کی جائے؛ کیونکہ دن بھر کے سارے اعمال وہ خود دیکھا کرتے تھے اور اپنایا کرتے تھے، مگر رات کو چونکہ امام الانبیاء ﷺ گھر تشریف فرما ہوتے تو وہ عمل مخفی تھا، لہذا معلوم کرنے کیلئے آپ ﷺ کے گھر پہنچ گئے، اور ام المؤمنین سے آپ ﷺ کی رات کی عبادت کی بابت استفسار کیا، حدیث کے الفاظ ہیں: (فلما أخبروا كأنهم تقالوها) یعنی: جب انہیں رسول اللہ

ﷺ کے قیام اللیل کی خبر دی گئی تو انہوں نے اسے تھوڑا سمجھا بلکہ ایک شخص نے یہاں تک کہہ دیا: (وأین نحن من رسول الله ﷺ :إن الله قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر) یعنی: بھلا ہمارا رسول اللہ ﷺ سے کیا مقابلہ؟ آپ کیلئے تو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی بشارتیں موجود ہیں۔ (لہذا ہمیں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔) چنانچہ ایک شخص نے کہا: (أما أنا فأقوم ولا أنام) یعنی: میں آج کے بعد رات بھر کا قیام کرونگا اور بالکل نہ سوؤنگا۔ دوسرے نے کہا: (أما أنا فأصوم ولا أفطر) یعنی: میں آج کے بعد ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی نافہ نہیں کرونگا۔ تیسرے نے کہا: (أما أنا فلا أتزوج النساء) یعنی: میں کبھی شادی نہ کرونگا۔

جب رسول اللہ ﷺ گھر لوٹے اور آپ ﷺ کو ان تینوں افراد کی باتیں بتائی گئیں تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور غصہ سے اس قدر سرخ ہوگیا کہ جیسے انار نچوڑ دیا گیا ہو، پھر آپ ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور ان کی اصلاح فرمائی، بلکہ بعض احادیث میں یوں وارد ہے کہ آپ ﷺ منبر پر جلوہ گر ہوئے اور لوگوں کے بڑے اجتماع میں فرمایا: (ما بال أقوام يقولون كذا أما إني أعلمكم بالله وأتقاكم لله أما إني لأصوم وأفطر ،وأقوم وأنام ،وأتزوج النساء ، فمن رغب عن سنتي فليس مني) یعنی: لوگوں کو کیا ہوگیا کہ عبادت کے تعلق سے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، خبردار! اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اس کائنات کا سب سے بڑا متقی بھی میں ہوں، خبردار! میرا طریقہ یہ ہے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغے بھی کرتا ہوں، اور میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور وقت سوتا بھی ہوں، اور میں نے بہت سی شادیاں بھی کی ہوئی ہیں، پس جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کریگا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حضرات! اس حدیث پر اور اس سے حاصل ہونے پر قواعد پر ایک تفصیلی بحث ہوسکتی ہے لیکن وقت اس کا متحمل نہیں ہے، البتہ ایک دوٹوک بات حاصل ہورہی ہے کہ جو بھی انسان منہج عبادت میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تجاوز اختیار کرے گا وہ منہج اسلام سے خارج ہوکر کسی دوسرے منہج کی طرف منتقل ہوجائے گا، خواہ اس کی نیت کتنی ہی نیک ہو اور کتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کیلئے کوشاں ہو، اللہ تعالیٰ تو یہ دیکھتا ہے کہ بندہ نے اپنے عمل میں میرے حبیب محمد ﷺ کی پیروی کی یا نہیں۔

اس کے خوش ہونے اور راضی ہونے کی بنیاد یہی ہے:

(قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾)

(آل عمران:۳۱)

ترجمہ: کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ہم نے سیرتِ طیبہ سے کچھ شواہد پیش کئے ہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ تو ہر خطبہ میں یہ قواعد بیان فرمایا کرتے تھے: أما بعد: فإن أصدق الحديث كتاب الله ، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة ، وكل ضلالة في النار .

کبھی فرماتے: (من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد) کبھی فرماتے: (من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد)

حضرات ہمارا مقصدِ تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور عبادت کیلئے ان قواعد کی حیثیت ایک میزان کی ہے، ورنہ سب کچھ بے کار اور عبث ہے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق